۵۔ مولانا حسرتؔ موہانی

نورالحسن نقوی

پہلی بات : ہمارا ملک ۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء کو آزاد ہوا۔ انگریز ہندوستان میں تاجر بن کر آئے اور دھیرے دھیرے وہ ہمارے ملک پر قابض ہوگئے۔ ان کے ظلم وستم سے ملک کی عوام تنگ آگئی تو انگریزوں کے خلاف انھوں نے بغاوت کے طریقوں کو اپنایا۔ ہندوستان کے رہنما عوام کے ساتھ تھے۔ انگریزوں نے انھیں بھی قید و بند کی سزائیں دیں۔ مہاتما گاندھی، پنڈت نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد جیسے آزادی کے رہنماؤں نے انگریزوں کے خلاف مورچہ کھولا۔ دو بدو لڑنے کی بجائے ان لوگوں نے امن اور شانتی کی راہ اپنائی تو لوک مانیہ تلک، لالہ لاجپت رائے، بپن چندر پال وغیرہ نے انتہا پسندی کو اپنایا۔ آزادی کے ان متوالوں میں مولانا فضل الحسن حسرتؔ موہانی بھی تھے۔ انھوں نے غیر ملکی مال کی مخالفت کی۔ انگریزوں نے انھیں بامشقت قید کی سزا سنائی اور وہ قید میں مہینوں چکّی پیستے رہے۔ ذیل کے سبق میں مولانا کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو پیش کیا گیا ہے۔

جان پہچان : نورالحسن نقوی ۱۹۳۳ء میں امروہہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اعلیٰ تعلیم علی گڑھ اور دلّی یونیورسٹی میں حاصل کی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو میں لکچرر ہوگئے۔ انھوں نے سرسیّد اور مصحفی پر تحقیقی کام کیا اور ان دونوں شخصیتوں پر کتابیں لکھیں۔ تلسی داس کی 'رام چرت مانس' کا انھوں نے اُردو میں ترجمہ کیا۔ خاکہ نگاری میں ان کا نام اہمیت رکھتا ہے۔ 'تصویریں اُجالوں کی' ان کے خاکوں کا مجموعہ ہے۔ انھوں نے 'اُردو ادب کی تاریخ' اور 'فنِ تنقید اور اُردو تنقید نگاری' نامی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ نورالحسن نقوی نے دہلی کے گنگا رام اسپتال میں ۲۵؍جنوری ۲۰۰۶ء کو وفات پائی۔

مولانا حسرتؔ موہانی کی شخصیت میں کوئی ایسی دلفریبی نہیں تھی کہ جو پہلی بار ملے، گرویدہ ہوجائے لیکن جن خوش نصیبوں کو انھیں نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا، وہ ان کی عظمت کے قائل ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مولانا ان لوگوں میں سے تھے جو آنے والی نسلوں کی رہنمائی کے لیے وقت کے ریگزار پر اپنے قدموں کے نشان چھوڑ جاتے ہیں۔ ان کی زندگی فقر و استغنا اور ایثار و خلوص کا بے نظیر مجموعہ تھی۔

حسرتؔ علی گڑھ میں زیرِ تعلیم تھے کہ تحریکِ آزادی سے وابستہ ہوگئے۔ اس جرم میں تین بار کالج سے نکالے گئے، کئی بار قیدِ بامشقت کی سزا بھگتی اور ایک ایک دن میں من من بھر آٹا پیسا۔ تحریک کی حمایت میں انھوں نے ایک رسالہ 'اُردوئے معلّٰی' جاری کیا تھا جسے بے باکی اور صاف گوئی کی پاداش میں بند کرنا پڑا۔ پریس اور کتب خانہ ضبط ہوا۔ مضامین کے مسودات ان کی آنکھوں کے سامنے نذرِ آتش کیے گئے۔ کالج کی حدود میں داخلہ ممنوع ہوگیا تو شہر میں کرایے کا مکان اور سودیشی تحریک کو فروغ دینے کے لیے 'سودیشی اسٹور' کھول لیا جس کا کالج کے اسٹاف اور طلبہ کی طرف سے بائیکاٹ کیا گیا۔ جیل گئے تو گزر اوقات کے لیے ان کی بیوی نے دکان پر بیٹھ کر کپڑا بیچا اور کسی ہمدرد نے مالی مدد کرنا چاہی تو یہ کہہ کر انکار کردیا کہ حسرتؔ صاحب نے کسی کا سہارا لینا گوارا نہیں کیا تو میں یہ مدد کیسے قبول کرلوں؟ جیل ہی میں تھے کہ بیٹا بیمار پڑا، حالت بگڑی اور دنیا سے رخصت بھی ہوگیا مگر حکام نے باپ کو مطلع کرنا بھی ضروری نہ سمجھا۔ بہت دن بعد جب اس جاں کاہ حادثے کی اطلاع ملی تو حسرتؔ صرف آہ بھر کر رہ گئے۔

تحریکِ آزادی کا درخت برگ و بار لایا تو اس کی فصل کا لوگوں میں بٹوارا ہوا؛ کسی کے حصے میں دھن دولت آئی، کسی نے

شہرت پائی، کسی کو صرف عزّت ملی مگر حسرتؔ کو کچھ بھی نہ ملا۔ وہ کسی صلہ وستائش کے طلبگار بھی نہ تھے۔ انھیں انعام ملا تو یہ کہ ان کے اپنوں نے کہا، ”بڑے میاں سٹھیا گئے ہیں، فہم وفراست سے محروم ہیں، سیاسی شعور سے بے بہرہ ہیں۔“ انھوں نے کچھ بھی تو نہ پایا، نہ یگانوں سے نہ بیگانوں سے، مگر یہ حسرتؔ ہی تھے جو ہمیں سرافرازی کی ایک لا زوال دولت عطا کر گئے۔ ہم ہمیشہ سر اُٹھا کے کہہ سکیں گے کہ جب ملک کے بڑے بڑے سورما آزادیِ کامل کا نام لیتے گھبراتے تھے تو ایک مردِ مسلماں، اُردو کے ایک شاعر و ادیب نے ہزار مخالفت کے باوجود ہزاروں کے مجمعے میں فوری اور مکمل آزادی کی تجویز پیش کی۔ یہ اور بات کہ کوئی جواں مرد اس کی آواز میں آواز نہ ملا سکا۔

اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے مولانا سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ احمد آباد میں کانگریس کا ایک تاریخی جلسہ تھا۔ محمد علی، شوکت علی، ابوالکلام نظر بند تھے۔ باقی حضرات شریک تھے۔ ڈاکٹر انصاری اور سیّد محمود کے ساتھ اجلاس میں مَیں بھی تھا۔ اجلاس کے پنڈال سے باہر ایک شامیانے میں مغرب کے بعد مسلمانوں کا جلسہ تھا۔ گاندھی جی خاص طور سے مسلمانوں سے کچھ کہنے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ اتنے میں دیکھا کہ کانگریس کی سبجیکٹ کمیٹی سے گھبرائے ہوئے، بھاگتے ہوئے دو والینٹیر آئے اور گاندھی جی سے نہایت اضطراب کے ساتھ کہا کہ جلدی چلیے، کمیٹی میں حسرتؔ موہانی صاحب نے ہندوستان کی مکمل آزادی کی قرارداد پیش کر دی ہے اور کسی طرح واپس نہیں لے رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فضا میں کوئی غیبی گولہ آ کر پڑا ہے۔ گاندھی جی گھبرائے ہوئے جلسے سے اُٹھ کر سبجیکٹ کمیٹی کی طرف روانہ ہو گئے مگر حسرتؔ بدستور اپنی بات پر جمے رہے اور نوٹس دیا کہ وہ اسے کھلے اجلاس میں پیش کریں گے۔ چنانچہ وہ وقت آیا جب کھلے اجلاس میں حسرتؔ نے ہندوستان کی مکمل آزادی کی تجویز پیش کی اور آنکھوں نے دیکھا کہ ہزاروں کے مجمعے میں ایک آواز بھی ان کی تائید میں نہ اُٹھی۔

حسرتؔ کی شخصیت کے جس پہلو پر سب سے پہلے نظر جاتی اور جم کے رہ جاتی ہے، وہ ان کا فقر و استغنا ہے۔ ساری زندگی ان کا ہاتھ تنگ رہا۔ ایسوں کے دل میں دولت کی حرص کچھ زیادہ گھر کر لیتی ہے مگر حسرتؔ کا معاملہ برعکس تھا۔ کبھی دولت ان پر مہربان ہوئی بھی تو مولانا فوراً گھبرا کے ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔ مہاتما گاندھی نے ایک بار پنڈت نہرو سے سوال کیا تھا،

”جواہر لال! یہ بتاؤ کہ دیش آزاد ہوا اور تم پردھان منتری بنائے گئے تو کیا تنخواہ لو گے؟“

”سو روپے ماہوار“ انھوں نے از رہِ انکسار جواب دیا۔

اس پر مہاتما چیخ پڑے: ”جواہر لال! تم اس ننگے بھوکے دیش سے سو روپے تنخواہ لو گے، سو روپے!“

جب دیش آزاد ہوا تو حسرتؔ کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ پارلیمنٹ کے ممبر خود اپنی سرکار سے اتنی بڑی بڑی رقمیں سفر خرچ کے طور پر کیوں وصول کرتے ہیں۔ انھوں نے ایک مشاعرے کے منتظمین سے یہ کہہ کر سفر خرچ لینے سے انکار کر دیا تھا کہ میں گرفتاری کے ڈر سے بلا ٹکٹ انجن میں بیٹھ کر آیا ہوں۔ کرایہ کیسے لے لوں؟ ایک بار پی ایچ۔ ڈی کا زبانی امتحان لینے وہ علی گڑھ آئے۔ دستخط کے لیے ٹی اے بل پیش کیا گیا۔ میزان پر نظر پڑی تو دیر تک کہتے رہے کہ اتنے بہت سے روپیوں کا ہم کریں گے کیا؟ پھر تفصیل پر نظر پڑی تو چونکے۔ بولے، ہم تو تھرڈ کلاس میں آئے ہیں، فرسٹ کلاس کا کرایہ کیسے لے لیں۔ پھر ارشاد ہوا، ہم تو آپ کے گھر ٹھہرے ہیں، یہ قیام و طعام کا خرچ کیا معنی؟ پھر کچھ اور خیال آیا، بولے ہم تو دہلی جا رہے تھے، راستے میں ذرا دیر کو یہاں اُتر گئے۔ ہم تو کچھ

لے ہی نہیں سکتے۔

جو شخص درویشانہ زندگی بسر کرتا ہو، اسے روپے پیسے کی ضرورت بھی کیا۔ ایک دوست کو کھانے پر مدعو کیا۔ دعوت کا وقت آیا تو مہمان عزیز کے لیے ڈیوڑھی میں چٹائی بچھا دی۔ پھر اندر سے ایک رکابی میں چنے کی دال کا سالن اور طباق میں روٹیاں لے آئے۔ اسے محبت سے بٹھایا اور میزبانی کا حق ادا کر دیا۔ لباس کی طرف سے وہ ہمیشہ بے پروا رہے۔ بیگم نے جو کپڑے دے دیے، انھوں نے بلا تامّل پہن لیے۔ وہ ان کے کپڑے خود ہی سیتی تھیں، خود ہی دھوتی تھیں۔ مولانا کو افسوس تھا کہ شیروانی درزی سے سلوانی پڑتی ہے۔ بیگم سے ذکر کیا تو انھوں نے کسی درزی سے شیروانی کی تراش سیکھ لی اور درزی کا قصہ ہی پاک ہو گیا۔ جب کالج کے اساتذہ اور طلبہ نے حسرتؔ کے سودیشی اسٹور کا بائیکاٹ کیا تو وہ ذرا بھی ہراساں نہ ہوئے۔ بولے ہمارا خرچ ہی کتنا ہے جو فکرمند ہوں۔ ملازم رکھنے کی تو حالات نے کبھی اجازت ہی نہ دی۔ کرایے کے جس مکان میں رہتے تھے، اس میں نل نہیں تھا۔ مکان کے سامنے سڑک کے اس پار پانی کا نلکا تھا۔ حسرتؔ پائینچے چڑھا کر بالٹیاں بھر بھر کے لاتے اور دن بھر کی ضرورت کے لیے گھڑوں میں پانی بھر لیتے۔ کوئی اس کام میں مدد کرنا چاہتا تو سختی سے انکار کر دیتے۔ آزادی کے بعد پارلیمنٹ کے ممبر ہوئے تو اجلاس میں شرکت کے لیے دہلی کے اسٹیشن پر تھرڈ کلاس کمپارٹمنٹ سے اس شان سے اُترتے کہ ایک تکیہ پھٹی ہوئی دری میں لپٹا، رسّی سے بندھا داہنی بغل میں ہے اور بائیں ہاتھ میں لوٹا۔ اسٹیشن سے نکل کے پاپیادہ نئی دہلی کی مسجد میں جا پہنچتے کہ یہی ان کی قیام گاہ تھی۔ جس غریب ممبر پارلیمنٹ کو بھتے کے نام پر ایک پیسا وصول نہ کرنا ہو، وہ یہ نہ کرتا تو اور کیا کرتا۔

حسرتؔ شاعر تھے، حسن پرست تھے اور اخلاص کے پیکر۔ جس سے ایک بار ملاقات ہو گئی، اسے ہمیشہ محبت سے یاد کیا۔ وہ ایک زندہ دل عاشق مزاج انسان تھے مگر یہ سب عہدِ شباب کی باتیں ہیں۔ انھوں نے جسے ٹوٹ کر چاہا، وہ تھیں ان کی بیگم نشاط النساء۔ کہا کرتے تھے کہ زلیخا، کملا اور نشاط نہ ہوتیں تو ابوالکلام، جواہر لال اور حسرتؔ بھی نہ ہوتے۔

حسرتؔ کو اپنے وطن سے جو عشق تھا اور اس کی آزادی کے لیے ان کے دل میں جو بے پناہ تڑپ تھی، اس کی طرف کچھ اشارے اوپر کیے جا چکے ہیں۔ ملک کی خاطر جیل تو ہزاروں لوگ گئے لیکن وہاں لوگوں نے جس طرح کی زندگی گزاری، اس سے ہم ناواقف نہیں مثلاً جیل میں مولانا آزاد اور ان کے رفقا کے شب و روز کیا تھے، 'غبارِ خاطر' کے خطوط سے اس کا ہمیں علم ہو چکا ہے۔ اب سنیے حسرتؔ کا حال خود ان کی زبانی: جیل پہنچتے ہی ایک لنگوٹ، جانگیا، کرتا، ایک ٹوپی پہننے کے لیے، ٹاٹ کا ٹکڑا بچھانے کے لیے، ایک کمبل اوڑھنے کے لیے ملا۔ ایک قدح آہنی بڑا، ایک چھوٹا ضروریات کو رفع کرنے کے واسطے مرحمت ہوا۔ پھر مجھے الٰہ آباد جیل منتقل کیا گیا، جہاں قید کی ساری مدت روزانہ ایک من آٹا پیسنا پڑا۔ یہ شعر اسی زمانے کی یادگار ہے ؎

ہے مشقِ سخن جاری چکّی کی مشقت بھی
اک طُرفہ تماشا ہے حسرتؔ کی طبیعت بھی

حسرتؔ کا تعلق گرم دَل سے تھا۔ احباب کے لاکھ سمجھانے کے باوجود وہ حکومت سے شدید عداوت کا رویہ ترک نہ کر سکے اور ساری زندگی اس کا خمیازہ بھگتا۔ سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی اور جیل جانے کا وقت آیا تو گاندھی جی اور دوسرے رہنما چپ چاپ پولس کے ساتھ ہو لیے۔ حسرتؔ نے سنا تو حیران ہوئے کہ یہ کیا نافرمانی ہوئی۔ جب پولس انھیں گرفتار کرنے پہنچی تو دل میں

جیل جانے کی خواہش تھی مگر اظہارِ نافرمانی کے لیے زمین پر اوندھے لیٹ گئے کہ میں تو نہیں جاتا۔ مار پڑ رہی ہے مگر نہیں اُٹھتے۔ سپاہیوں نے گھسیٹا تو گھاس پکڑ لی۔ آخر بہ ہزار دِقت زبردستی لاری پر لاد کر لے جائے گئے۔ گاندھی جی اور ان کے فلسفۂ عدم تشدد کے وہ قائل نہ تھے۔ جب انھوں نے فوری اور مکمل آزادی کی تجویز پیش کی تو گاندھی جی اور دوسرے رہنماؤں نے سمجھایا کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا مگر وہ نہ مانے۔ حسرتؔ کی تجویز کے خلاف تقریر کرتے ہوئے گاندھی جی نے کہا تھا، ”حسرتؔ صاحب ہمیں اس پانی میں لے جانا چاہتے ہیں جس کی گہرائی کا ہمیں اندازہ نہیں۔“

حسرتؔ بڑے بے باک اور بلا کے صاف گو تھے۔ دل کی بات زبان پر لانے میں انھیں کبھی تامّل نہ ہوتا تھا۔ اس میں کبھی کبھی ناگفتنی بات بھی زبان سے نکل جاتی تھی جس کا تاوان بہرحال انھیں بھگتنا پڑتا تھا لیکن یہ کہنا غلط ہوگا کہ حسرتؔ غور و فکر کے عادی نہ تھے یا ان میں تدبر کی کمی تھی۔ ان کے مزاج میں ایک طرح کی جلد بازی ضرور تھی۔ وہ ہر کام جلدی کرتے تھے۔ ان کا دماغ بھی اسی طرح تیز رفتاری سے سوچتا تھا اور جب وہ کسی نتیجے پر پہنچ جاتے تھے تو چونکہ مصلحت کا ان کے مزاج میں گزر نہ تھا، موقع محل دیکھے بغیر دل کی بات زبان پر لے آتے تھے ورنہ ان کی دور اندیشی اور فہم و فراست کے ثبوت میں بہت سی دلیلیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

مولانا حسرتؔ موہانی کو پہلی بار نئی دہلی کی ایک مسجد کے پاس اُلجھی ہوئی بے ہنگم ڈاڑھی، پچکی ہوئی ترکی ٹوپی، ٹوٹی ہوئی کمانی کی عینک، مَلگی دَلی شیروانی کے ساتھ ایک ہاتھ میں لوٹا اُٹھائے، دوسرے میں رسّی سے بندھا دری تکیہ سنبھالے پھٹی پھٹی باریک آواز میں بولتے دیکھا تو ایک عظیم الشان دیوار ڈھیتی ہوئی نظر آئی مگر جب ان کے حالاتِ زندگی اور کارناموں سے شناسائی حاصل ہوئی تو اسی شکستہ دیوار کے ملبے سے ایک مینارۂ نور بلند ہوتا دِکھائی دیا۔ ایسا بلند کہ آج تک تو اس کا ہمسر کوئی دوسرا مینار نظر آیا نہیں۔

معانی و اشارات

فقر	–	تنگ دستی، مفلسی
استغنا	–	بے فکری، بے نیازی
پاداش	–	بدلہ، سزا، نتیجہ
مسوّدات	–	مسوّدہ کی جمع، قلمی تحریریں
سودیشی	–	اپنے ملک کی
جاں کاہ	–	جان کو تکلیف دینے والا
برگ و بار لانا	–	نتیجہ سامنے آنا
فہم و فراست	–	سمجھ داری، عقل مندی
بے بہرہ	–	محروم
سرافرازی	–	عزّت
آزادیِ کامل	–	مکمل آزادی
سبجیکٹ کمیٹی	–	موضوع طے کرنے والی کمیٹی
والینٹیر	–	رضا کار
قرارداد	–	ریزولوشن، تجویز
غیبی گولہ	–	مراد اچانک نازل ہونے والی مصیبت
ہاتھ تنگ ہونا	–	مفلس ہونا
از رہِ انکسار	–	عاجزی کے ساتھ
منتظمین	–	منتظم کی جمع، انتظام کرنے والے
ٹی اے بل	–	سفر خرچ کا بل
میزان	–	کل جمع
بلا تامّل	–	ہچکچاہٹ کے بغیر
قصہ پاک ہونا	–	مسئلہ/ معاملہ ختم ہونا
بائیکاٹ کرنا	–	مخالفت کرنا
ہراساں ہونا	–	پریشان ہونا، خوف زدہ ہونا

اخلاص کے پیکر - سراپا خلوص
قدحِ آہنی - لوہے کا پیالہ
مرحمت - عنایت
طُرفہ تماشا - عجب تماشا
گرم دَل - انتہا پسند گروہ
فلسفۂ عدمِ تشدد - امن و آشتی کا نظریہ، اہنسا واد

ناگفتنی بات - وہ بات جو کہنے کے لائق نہ ہو
تاوان - جرمانہ، سزا
مَلی دَلی - بوسیدہ، شکن آلود
بہ ہزار دِقت - بڑی مشکل سے
مینارۂ نور - روشنی کا مینار

مشقی سرگرمیاں

* سبق کا بغور مطالعہ کیجیے اور دی گئی سرگرمیوں کو ہدایت کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ تحریک آزادی سے وابستہ ہونے کے بعد مولانا کی زندگی کے دو اہم واقعات لکھیے۔
۲۔ رسالے 'اُردوئے معلیٰ' کے بند ہونے کی وجہ لکھیے۔
۳۔ 'سودیشی تحریک' کو اپنے لفظوں میں مختصراً بیان کیجیے۔
۴۔ بیگم حسرتؔ موہانی کے کسی کی مدد نہ لینے کی وجہ بیان کیجیے۔
۵۔ حسرتؔ موہانی کی وہ تجویز تحریر کیجیے جس کی حمایت میں بڑے بڑے لیڈروں نے آواز نہ ملائی۔
۶۔ حسرتؔ موہانی کے مشاعرہ کمیٹی سے سفر خرچ نہ لینے کی وجہ بیان کیجیے۔
۷۔ شیروانی سلوانے کے لیے درزی سے چھٹکارے کا واقعہ لکھیے۔
۸۔ سبق سے ان لوگوں کے ناموں کی فہرست بنائیے جنھیں تحریکِ آزادی کے دوران قید کیا گیا تھا۔
۹۔ حسرتؔ موہانی کا وہ قول نقل کیجیے جس سے عورتوں کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔
۱۰۔ حسرتؔ موہانی کی چار اہم خوبیاں تحریر کیجیے۔
۱۱۔ جیل میں تحریکِ آزادی کے قیدیوں کو ملنے والے سامان کی تفصیل لکھیے۔
۱۲۔ حسرتؔ موہانی کی شخصیت کا سب سے اہم پہلو بیان کیجیے۔

* سبق کی مدد سے مولانا حسرتؔ موہانی کا خاکہ لکھیے۔

* تحریکِ سول نافرمانی میں مولانا کی گرفتاری کے منظر کو بیان کیجیے۔

* ذیل کے جملے کے حوالے سے رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

”حسرتؔ صاحب ہمیں اُس پانی میں لے جانا چاہتے ہیں جس کی گہرائی کا ہمیں اندازہ نہیں۔“

کہنے والا : ☐
جن سے کہا گیا : ☐
مقام : ☐
وجہ : ☐

* جان پہچان کی مدد سے شجری خاکہ مکمل کیجیے۔

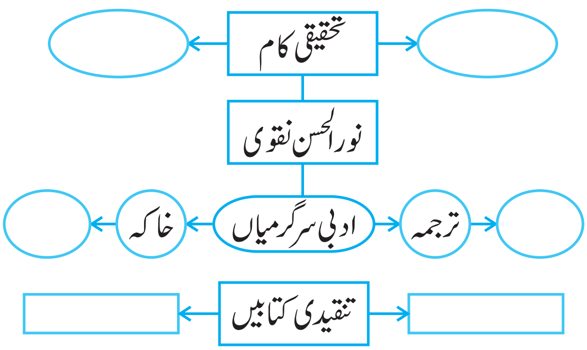

* ”تحریکِ آزادی کا درخت“ برگ و بار لایا تو اس کی فصل کا لوگوں میں بٹوارا ہوا۔ اس جملے کی تشریح کیجیے۔

* پہلی بار پارلیمنٹ کے اجلاس میں جاتے وقت مولانا کا حلیہ اپنے لفظوں میں لکھیے۔

* سبق میں ہندی اور انگریزی کے کچھ الفاظ آئے ہیں۔ انھیں تلاش کر کے جدولی تقسیم میں لکھیے۔

ہندی الفاظ			
انگریزی الفاظ			

* 'لا زوال' مرکب لفظ ہے۔ سابقے 'لا' کی مدد سے چار نئے الفاظ بنائیے۔

* ذیل کے الفاظ پر مناسب اعراب لگا کر دو مختلف معنی والے الفاظ بنائیے۔

(i) دھن (ii) ملک

(iii) دل (iv) صرف

* جملے کی قسم پہچانیے۔

ا۔ اس جرم میں تین بار کالج سے نکالے گئے۔

۲۔ دیش آزاد ہوا اور تم پردھان منتری بنائے گئے تو کیا تنخواہ لوگے؟

۳۔ جواہر لال! تم اس ننگے بھوکے دیش سے سو روپے تنخواہ لوگے۔ سو روپے!

* "شکستہ دیوار کے ملبے سے ایک مینارۂ نور بلند ہوتا دِکھائی دیا۔" اس جملے کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

* ہدایت کے مطابق عمل کیجیے۔

ا۔ سبق سے واوِ عطف والی ترکیبیں تلاش کر کے لکھیے۔

۲۔ سبق سے زیرِ اضافت والی ترکیبیں تلاش کر کے لکھیے۔

* "جو شخص درویشانہ زندگی بسر کرتا ہو، اسے روپے پیسے کی ضرورت بھی کیا۔" مولانا حسرتؔ موہانی کی شخصیت کی روشنی میں اس جملے کا استحسان اس طرح کیجیے کہ جملے کا مطلب واضح ہو جائے۔

* جملے کو خط کشیدہ کر کے اضافی ترکیب کے اجزا مضاف، مضاف الیہ اور حروفِ اضافت لکھیے۔

ا۔ کانگریس کا تاریخی جلسہ تھا۔

۲۔ غبارِ خاطر کے خطوط سے ہمیں علم ہو چکا ہے۔

۳۔ بیوی کی سمجھ میں بات آ گئی۔

* دیے گئے حرفی نمبروں کے مطابق ذیل کے نمبروں کی ترتیب میں سے اس ترتیب کو نقل کر کے ترتیب پانے والا لفظ لکھیے۔ (دائیں سے بائیں)

ا۔ بے فکری / بے نیازی کے مفہوم والا لفظ ترتیب پاتا ہے۔

حروف کے نمبر : ا ا ت س غ ن
1 1 2 3 4 5

نمبروں کی ترتیب : (i) 1 5 4 2 3 1
(ii) 1 2 3 4 5 1 (iii) 1 1 4 3 5 2

۲۔ سبق کی ایک اہم شخصیت کے نام کا حصہ ترتیب پاتا ہے۔

حروف کے نمبر : ا م ن و ہ ی
1 2 3 4 5 6

نمبروں کی ترتیب : (i) 1 2 3 4 5 6
(ii) 6 3 1 5 4 2 (iii) 2 3 1 6 5 4

اضافی معلومات

نرم دَل - گرم دَل

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کو جب انگریزوں نے نہایت بے دردی کے ساتھ کچل دیا اور ہزاروں محبانِ آزادی کو پھانسی پر چڑھا دیا تو یہاں عوام الناس کے دلوں میں خوف کی لہر دوڑ گئی اور انگریزی حکومت کے خلاف نفرت کا جذبہ پروان چڑھنے لگا۔ انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لیے دو محاذ قائم ہو گئے۔ ایک گروہ میں بال گنگا دھر تلک، بپن چندر پال اور لالہ لاجپت رائے شامل تھے۔ ان لوگوں نے آزادی کی خاطر پولس کی لاٹھیاں کھائیں۔ آزادی کے ان متوالوں کے گروہ کو 'گرم دَل' کہا جاتا ہے۔ حسرتؔ موہانی اس دَل کے سب سے زیادہ فعال رکن تھے۔ انھوں نے سول نافرمانی میں عملاً حصہ لیا اور جیل گئے۔ جیل میں انھیں چکّی پیسنے کی سزا دی گئی۔ جیل میں وہ روزانہ ایک من آٹا پیسا کرتے تھے۔ آزادی چاہنے والوں کا دوسرا محاذ عدم تشدد کا قائل تھا۔ وہ امن و آشتی کے ذریعے انگریزوں سے آزادی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مہاتما گاندھی اور ان کے رفقا اس تحریک سے جڑے ہوئے تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد اور سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان ان میں اہم نام ہیں۔ اس گروہ کو 'نرم دَل' کہا جاتا ہے۔